حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور قادیانیت

پروفیسر خالد شبیر احمد

ایک واقعہ:

''شاہ صاحب کو تردید قادیانیت سے کتنا لگاؤ تھا، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔شاہ صاحب جامع ڈابھیل سے دیوبند تشریف لے جا رہے تھے۔دہلی سے گاڑی بدلنا پڑی تھی۔جس کی وجہ سے کافی دیر تک سٹیشن پر قیام کرنا پڑا تھا۔شاہ صاحب سے ملاقات کرنے کے لیے بہت سے لوگ اسٹیشن پر جمع تھے۔دورانِ گفتگو میں شاہ صاحب کو پتہ چلا کہ قادیانیوں نے دہلی میں اپنا جلسہ منعقد کیا ہے۔لیکن کسی نے بھی ان کے غلط عقائد کی تردید نہیں کی۔اس وقت دہلی میں دیوبند کے کئی فاضل علماء موجود تھے۔اگر وہ اپنے فرض کو پہچانتے تو تردید قادیانیت کے سلسلے میں ضرور تقریریں کرتے لیکن انھوں نے ایسا نہ کیا۔جب شاہ صاحب کو اس بات کا علم ہوا تو انہیں سخت رنج ہوا اور انھوں نے مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

''صرف گالی سننے سے ہی ایک شریف آدمی کی توہین نہیں ہوتی، بلکہ اس کی توہین اس سے بھی ہوتی ہے کہ وہ اپنے مرتبے سے گری ہوئی بات سنے۔''

پھر اس کے بعد بطور دلیل یہ واقعہ سنایا کہ ایک اچھے کھاتے پیتے گھرانے کے امیر شخص نے جناب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہٗ کی خدمت میں زبرقان شاعر کی شکایت کی کہ اس نے اپنے اشعار میں میری شدید توہین کی ہے۔امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہٗ نے زبرقان سے جواب طلب کیا زبرقان نے کہا یا امیر المؤمنین میں نے تو اپنے اشعار میں ان کی تعریف کی ہے۔اس کی برائی تو نہیں کی اور پھر امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو یہ شعر سنایا۔ دَع المکارم لا ترحل لبغیتھا. ترجمہ (تو کارناموں کو چھوڑ دے) اقعہ نانک انت الطاعم الکاسی. ترجمہ (بیٹھ جا کیونکہ تو کھاتا پیتا آدمی ہے)

حضرت عمر بن الخطاب نے یہ شعر سن کر زبرقان شاعر سے کہا کہ یہ شخص ٹھیک کہتا ہے تو نے اس کی سخت توہین کی ہے۔ایک شریف آدمی کو اس سے زیادہ اور کیا توہین کہ اچھے کاموں کے حصول کو غریب لوگوں کے ساتھ منتج کر دیا جائے۔

اس واقعہ کو سنانے سے شاہ صاحب کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ دہلی کے علماء نے فرقہ قادیانیت کی تردید کرنے میں غفلت برتی ہے۔جبکہ ان پر قومی اور مذہبی دونوں نقطہ نظر سے یہ کام کرنا ضروری تھا تو اس سے ان کی عزت واحترام کم ہو گئی۔ (سیرت انور شاہ کاشمیری، مصنفہ عبد الصمد صارم لاہور، صفحہ ۳۰ تا ۳۶ تک)

مقدمہ بہاول پور:

یہ مقدمہ ایک مسلمان عورت نے احمد پور شرقیہ ضلع بہاول پور کی رہنے والی تھی۔اپنے شوہر کے خلاف دائر کیا تھا اس عورت کا یہ کہنا تھا کہ چونکہ اس کا شوہر مرزائی ہو گیا ہے۔اس لیے میرا نکاح فسخ ہو گیا ہے اس لیے وہ مذہب اسلام سے خارج ہے اور ایک مذہب اسلام سے خارج آدمی کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔یہ مقدمہ کافی دیر سے زیرِ سماعت تھا۔۱۹۳۲ء میں ضروری سمجھا گیا کہ اس مسئلہ پر قادیانی علماء اور غیر قادیانی حضرات سے روشنی ڈالنے کو کہا جائے۔تاکہ ان کے بیانات کی روشنی میں مقدمہ کو صحیح طور پر فیصلہ کیا جا سکے۔قادیانیوں نے اس مقدمے کو جیتنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی۔جب امام العصر محمد انور شاہ کاشمیریؒ کو اس بات کا علم تو وہ اپنے تلامذہ سمیت بنفس نفیس بہاول پور تشریف لائے۔کئی روز تک بیانات ہوتے رہے۔شاہ صاحب نے نہایت مدلل بحث کی اور فرقہ قادیانیت کے ارتداد میں ایک بصیرت افروز تقریر فرمائی۔یہ شاہ صاحب اور ان کے ساتھیوں کی مساعی جمیلہ کا ظہور تھا کہ یہ مقدمہ بحق مدعیہ فیصلہ ہوا۔اس مقدمے کی تفصیلات مختلف کتابوں میں موجود ہیں۔جس میں حافظ محمد خالد لطیف حقانی منزل طوری دروازہ بہاول پور کی کتاب بعنوان ''مقدمہ کتاب بیاناتِ ربانی برارتدادِ فرقہ قادیانی جو عالی جناب ڈسٹرکٹ جج صاحب بہاول پور کی عدالت میں ہوئے''۔اسی طرح دوسری کتاب حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی کتاب ''تحفۂ قادیانیت'' جلد دوم میں بھی اس مقدمے کی تفصیلات موجود ہیں۔ان کتابوں کے مطالعے سے مزید تفصیل یہ ہے کہ ''یہ مقدمہ ۱۹۲۶ء میں احمد پور شرقیہ کی عدالت میں دائر کیا گیا۔۱۹۳۱ء میں یہ مختلف مراحل طے کر کے دربار معلیٰ سے ڈسٹرکٹ جج صاحب کی عدالت میں پیش ہوا۔جج نے اس پر کاروائی کرنے سے پہلے دونوں فریقوں سے کہا کہ اس مقدمے کا تعلق چونکہ عقیدۂ ختم نبوت سے ہے۔اس لیے اس کی اہمیت کا تقاضہ یہ ہے کہ دونوں طرف کے علماء حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ (شیخ الجامعہ) کی قیادت میں اس مقدمے کی پیروی کر رہے تھے۔چنانچہ انھوں نے اس عظیم کام کے لیے متحدہ ہندوستان کے نامور علماء کو دعوت نامے بھیجے کہ وہ بہاول پور آکر مدعیہ کی طرف سے عدالت میں بطور گواہ پیش ہوں اور اپنے مؤقف کو دلائل وشواہد سے ثابت کریں۔چنانچہ شیخ الجامعہ کی دعوت پر ہندوستان کے نامور علماء مدعیہ کی طرف سے شہادت دینے کے لیے بہاول پور تشریف لائے اور عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہو کر مرزا کے باطل دعوؤں کی وہ تردید کی کہ مرزائی مبلغ بغلیں جھانکتے رہ گئے۔اس سلسلے میں جب مولانا غلام محمد گھوٹوی کا خط سید محمد انور شاہ کاشمیری کو ملا تو ان کا رختِ سفر ڈابھیل کے لیے بندھ چکا تھا۔خط پڑھتے ہی انھوں نے اپنا پروگرام ملتوی کر دیا اور اساتذۂ دیوبند سے فرمایا کہ بہاول پور سے حضرت شیخ الجامعہ کا خط میرے نام آیا ہے انھوں نے تحریر فرمایا ہے کہ ایک مرزائی مقدمے کے سلسلے میں شہادت دینے کے لیے بہاول

پور آئیں۔اب میں ڈابھیل جانے کی بجائے بہاول پور جاؤں گا۔چنانچہ ضعفِ علالت کے باوجود طویل سفر کر کے اپنے تلامذہ کے ہمراہ بہاول پور پہنچے۔بہاول پور میں آپ کا قیام ایک ماہ تک رہا اس دوران انھوں نے مدعیہ کی طرف سے عدالت میں ایک مکمل بیان دیا اور کتاب وسنت کی روشنی میں ختم نبوت کے تمام علمی و دینی پہلوؤں کو واضح کرتے ہوئے مرزا غلام احمد قادیانی کے ادعائے نبوت کی وہ تکذیب کی کہ بڑے بڑے علماء مشائخ آپ کے علمی تبحر اور وسعتِ نظر دیکھ کر دنگ رہ گئے۔جن علمائے دین نے دینِ اسلام کے ترجمان کی حیثیت سے عدالت میں شہادتیں دیں ان کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی۔۲۔حضرت مولانا محمد حسین کولوتارڑوی۔۳۔حضرت مفتی محمد شفیع۔۴۔حضرت مولانا سید مرتضٰی حسن۔۵۔حضرت مولانا محمد انور شاہ کاشمیری۔۶۔حضرت مولانا نجم الحسن۔

فیصلہ مقدمہ:

ریاست بہاول پور پنجاب میں ایک اسلامی ریاست ہے اور اعلیٰ حضرت تاجدارِ عباسی خلد اللہ تعالیٰ اقبالہٗ وملکہ کے آئین میں ہے۔اس میں ایک شخص مسمی عبدالرزاق مرزائی ہو کر مرتد ہو گیا۔اس کی منکوحہ مسمات غلام عائشہ نے سنِ بلوغ کو پہنچ کر ۲۴ رجولائی ۱۹۲۶ء کو فسخ نکاح کا دعوہ دائر کر دیا اور یہ مقدمہ ۱۹۳۱ء تک ایک دفعہ انتہائی مراحل طے کر کے پھر ۱۹۳۲ء میں ریاست کی عدالتِ اعلیٰ یعنی دربارِ معلّٰی سے ابتدائی حیثیت میں ڈسٹرکٹ جج بہاول پور کی عدالت میں بغرض تحقیقِ شرعی واپس آیا مدعیہ کی طرف سے ہندوستان کے مشہور اکابر علماء کی شہادتیں ہوئیں اور مدعا علیہ کی جانب سے ان شہادتوں کی تردید پر پوری کوشش صرف کی گئی۔آخر ۷رفروری ۱۹۳۵ء کو فیصلہ بحق مدعیہ صادر ہوا وہ ایک مسلمان لڑکی مسماۃ غلام عائشہ بنتِ مولوی الٰہی بخش کا شوہر مسمی عبدالرزاق ولد جان محمدؐ اسلام سے مرتد مرزائی بن گیا تھا زوجہ کی طرف سے ۲۴ رجولائی ۱۹۲۶ء کو احمد پور شرقیہ کی عدالت میں دعویٰ دائر کیا گیا کہ مدعیہ اب تک نابالغ رہی ہے'اب عرصہ دو سال سے بالغ ہوئی ہے۔مدعا علیہ ناکح مدعیہ نے مذہب اہل سنت والجماعت تبدیل کر کے قادیانی مذہب اختیار کر لیا ہے اور اس وجہ سے وہ مرتد ہو گیا ہے۔اس کے مرتد ہو جانے کی وجہ سے باعث مدعیہ اب اس کی منکوحہ نہیں رہی، کیونکہ وہ شرعاً کافر ہو گیا ہے اور بموجب مذہب احکام شرع شریف بوجہ ارتداد مدعا علیہ، مدعیہ مستحق انفراق زوجیت ہے۔اس لیے ڈگری تنسیخ نکاح بحق مدعیہ صادر کیا جائے اور یہ قرار دیا جائے کہ مدعیہ مرزائی ہو جانے مدعیہ علیہ کے اس کی منکوحہ جائز نہیں رہی اور نکاح بوجہ ارتداد مدعا علیہ قائم نہیں رہا(مقدمہ فیصلہ بہاول پور ص۵ طبع اوّل)

اگرچہ یہ مقدمہ سات سال سے چل رہا تھا اور مدعا علیہ قادیانی بڑے فخر سے اعلانیہ کہا تھا کہ قادیان کا خزانہ اور منظّم جماعت اس کی پشت پر ہے۔مگر مسلمانوں نے اسے ایک شخص کا مقدمہ سمجھا اور مدعیہ کی مالی امداد کی طرف بھی توجہ نہ کی لیکن ڈسٹرکٹ عدالت نے جو اس مقدمے کی سماعت کے لیے ریاست کے سربراہ نے بطور کمیشن قائم کی تھی۔فریقین کو اپنے اپنے مسلک کے مستند اور مشاہیر علماء کو بغرض شہادت پیش کرنے کا حکم دیا تو مسلمانانِ بہاول پور کا احساس بیدار ہوا کہ کہیں مدعیہ کی کسمپرسی و ناداری اسے شہادت شرعی پیش کرنے سے قاصر نہ رکھے۔چنانچہ انجمن نوید الاسلام بہاول پور نے مدعیہ کی جانب سے اس مقدمہ کی پیروی شروع کی۔بالآخر دو سال کی کامل تحقیق و تنقیح کے بعد ۷؍۲ ۱۹۳۵ء کو عالی جناب محمد اکبر ڈسٹرکٹ جج بہاول پور اس مقدمہ کے تاریخی فیصلہ مدعیہ کے حق میں صادر کرتے ہوئے قرار دیا کہ ''مدعیہ کی جانب سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب کاذب مدعی نبوت ہیں، اس لیے مدعا علیہ (عبدالرزاق قادیانی) بھی مرزا صاحب کو نبی تسلیم کرنے سے مرتد قرار دیا جائے۔لہٰذا ڈگری مضمون بحق مدعیہ جاری کی جاتی ہے کہ وہ تاریخ مدعا علیہ سے اس کی زوجہ نہیں رہی۔مدعیہ خرچہ مقدمہ بھی از اں مدعیہ علیہ سے لینے کی حقدار ہو گی۔(فیصلہ مقدمہ بہاول پور ص۱۴۹)

تاریخی مقدمہ:

یہ ایک مسلمان ریاست کے مسلمان جج کا تاریخی فیصلہ تھا جو اسلام اور قادیانیت کی پوری تحقیق کے بعد صادر کیا گیا اور پھر ایک ایسی عدالت کی جانب سے تھا جس کی حیثیت عدالت خاص کی تھی۔اس لیے یہ فیصلہ آئندہ کے لیے نشانِ راہ ثابت ہوا اور الحمد للہ اس قسم کے تمام فیصلے اسی کے مطابق ہوئے۔حضرات اکابر دیوبند اس مقدمے میں جو کارنامہ سرانجام دیا۔اس کا تعارف کراتے ہوئے ابوالعباس محمد صادق نعمانی جن کی وساطت سے یہ فیصلہ صادر ہوا تحریر فرماتے ہیں

''مدعیہ کی طرف سے شہادت کے لیے شیخ الاسلام مولانا انور شاہ کاشمیریؒ،حضرت سید مرتضٰی حسن چاند پوری، حضرت مولانا نجم الدین، پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور، حضرت مولانا محمد شفیع مفتی دارالعلوم دیوبند پیش ہوئے۔حضرت شاہ صاحب کی تشریف آوری تمام ہندوستان کی توجہ کے لیے جذبِ مقناطیسی کا کام کیا۔اسلامی ہند میں اس مقدمے کو غیر فانی شہرت حاصل ہو گئی۔حضراتِ علماء کرام نے اپنی اپنی شہادتوں میں علم وعرفان کے دریا بہادیئے اور فرقۂ ضالہ کا کفر روزِ روشن کی طرح ظاہر کر دیا اور فریق مخالف کی جرح کے نہایت مسکت جواب دیئے۔خصوصاً حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ علیہ اپنی شہادت میں ایمان، کفر زندقہ، ارتداد، ختم نبوت، اجماع تواتر، متواترات کے اقسام، وحی ،کشف، الہام کی ایسے تعریفات اور ایسے اصول وقواعد بیان کیے جن کے مطالعے سے ہر ایک انسان علی وجہ البصیرت بُطلان مرزائیت کا یقین کامل حاصل کر سکتا ہے۔پھر فریق ثانی کی شہادت شروع ہوئی مقدمہ کی پیروی اور شہادت پر جرح کرنے اور قادیانی دجل وتبذیر کو آشکارا کرنے کے لیے شہرۂ آفاق مناظر حضرت مولانا ابوالوفا صاحب نعمانی شاہجہان پوری تشریف لائے۔مولانا موصوف مختار مدعیہ ہو کر تقریباً ڈیڑھ سال مقدمے کی پیروی فرماتے رہے۔فریق ثانی کی شہادت پر باطل شکن جرح فرمائی جس نے مرزائیت کی

بنیادوں کو کھوکھلا اور مرزائی دجل وفریب کے تمام پردوں کو پارہ پارہ کر کے فرقہ مرزائیہ ضالہ کا ارتداد دا آشکارا کر دیا۔ فریقین کی شہادت ختم ہونے کے بعد مولانا موصوف نے مقدمہ زیر بحث کی اور فریق ثانی کی تحریری بحث کا تحریری جواب الجواب نہایت مفصل اور جامع پیش کیا۔ (مقدمہ بہاول پور)

عموماً یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ دینِ اسلام میں شاعری کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ایسا سمجھنا دین اسلام کے ذوقِ لطیف کی نفی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی صحابہ ایسے تھے جو شعر کہتے تھے۔ بلکہ یہ بات بھی ثابت ہے کہ آپ نے انھیں کئی شعروں پر داد دی اور اُن کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ اس پر سوال ابھرتا ہے کہ اگر دین اسلام میں شاعری شجرِ ممنوعہ ہے تو پھر آپ نے ایسا کیوں کیا اور اگر آپ نے یہ کیا ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ ایسی شاعری کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی درست ہے کہ اسلام میں ایسی شاعری کی سرے سے کوئی اجازت نہیں ہے جس کا سلسلہ محض فحش گوئی، ہیجان انگیزی اور حسن وعشق کی داستانوں تک ہی محدود ہو کے رہ جائے۔

حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو فتنۂ قادیانیت کے فروغ اور اس کی شدت نے بے چین ومضطر کر دیا تھا۔ علامہ مولانا محمد یوسف بنوریؒ ''**نفحة العنبر فی هدی شیخ الانور**'' میں حضرت انور شاہ کاشمیری کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

''جب یہ تاریک فتنہ پھیلا تو مصیبتِ عظمیٰ سے غم اور اضطراب کی ایک ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ کسی کروٹ چین نہ آتا تھا۔ رات کی نیند حرام ہوگئی۔ مجھے قلق تھا کہ قادیانی نبوت سے دین میں ایسا رخنہ واقع ہو جائے گا جس کو بند کرنا دشوار ہوگا۔ اس قلق واضطراب اور بے چینی میں چھے ماہ گزر گئے تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں القاء کیا کہ عنقریب اس فتنہ کا شور وشغب ان شاء اللہ جاتا رہے گا اور اس کی قوت وشوکت ٹوٹ جائے گی۔ چنانچہ ایک طویل مدت کے بعد میرا اضطراب رفع ہوا اور سکونِ قلب نصیب ہوا'' (ص۳۰۴، طبع جدید)

حضرت کاشمیریؒ نے اس اضطراب وبے چینی کا اظہار اپنے بعض اشعار میں بھی کیا ہے۔ ایک طویل عربی نظم جو ''الکفار الملحدین'' میں طبع ہوئی۔ اس میں قادیانی فتنہ کی شدت وگہرائی کی طرف امتِ مسلمہ کو متوجہ فرمایا۔ شعر کا ہر لفظ اپنے زورِ بیان سے آپ کے دلی کرب واضطراب کی ترجمانی کرتا ہے جس کے ساتھ ساتھ ان اشعار میں اُمتِ مسلمہ کے لیے قادیانیت کے خلاف کچھ کر گزرنے کا پیغام بھی موجود ہے۔ شعروں میں خاص خوبی یہ ہے کہ ایمان کی حرارت کو تیز تر کرتے ہوئے قادیانیت کے خلاف ایک جذبہ اور ولولہ پیدا کرتے ہیں۔ عربی عبارت کے لیے مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی کتاب ''تحفہ قادیانیت'' جلد دوم ملاحظہ فرمائیں: اشعار کا اردو ترجمہ:

(۱) اے اللہ کے بندو! اٹھو اور ان فتنوں کے کس بل نکال دو۔ جو ہر جگہ چھا رہے ہیں اور جن کے برداشت کرنے کی تب وتاب نہیں رہی۔

(۲) ان فتنوں کی شدت سے ہدایت کے نشانات مٹانا چاہتے ہیں۔ خیر وصلاح سمٹ رہی ہے اور پھر اس کے تدارک کی کوئی صورت نہیں بن پڑے گی۔

(۳) ایک اولوالعزم رسول (سیدنا عیسیٰ علیہ السلام) کو تمہارے سامنے گالیاں دی جارہی ہیں۔ قریب ہے کہ قہرِ الٰہی سے زمین وآسمان پھٹ پڑیں۔

(۴) ایک نانہجار قوم (مرزائیوں) نے اپنے رب اور اُس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی چھیڑ رکھی ہے پس اللہ کی مدد کے بھروسے سے اٹھو کہ وہ بہت قریب ہے۔

(۵) حدود اللہ کو ٹوٹتے دیکھ کر صبر کا دامن میرے ہاتھ سے چھوٹ چکا ہے۔ پس کیا اس بھری دنیا میں کوئی حدود اللہ کے تحفظ کے لیے پکارنے والا یا میری دعوت پر لبیک کہنے والا ہے۔

(۶) جب مصیبت حدِ برداشت سے نکل گئی تب میں نے مدد کے لیے تمہارے دروازے پر دستخط دی۔
پس اے قوم! کیا کوئی فریادا یسی ہے جو آگے بڑھ کر میرے دکھ درد میں شریک ہو جائے۔

(۷) بخدا میں ان لوگوں کو جو خوابِ غفلت میں مست تھے، بیدار کر چکا ہوں اور ہر ایسے شخص کو جسے قدرت نے سننے کی صلاحیت دی ہے سنا چکا ہوں۔

(۸) اور میں قومِ مسلم کو ان کے رب کی جانب سے عائد شدہ فریضہ کے سلسلے میں پکار چکا ہوں۔ پس کیا اہل خانہ میں کوئی شخص میری مدد کو اُٹھے گا۔

(۹) سب کچھ چھوڑ کر اس فتنۂ عظمیٰ کے مقابلہ میں کمر بستہ ہو جاؤ۔ اس لیے کہ اس فتنہ کا نشانہ ہو جانے کے بعد اس کا استیصال ہر شخص پر فرضِ عین ہو گیا ہے۔

(۱۰) ہاں اُٹھو اور اپنے دین کی حفاظت کے لیے جان کی بازی لگا دو۔ اور جب تحفظِ دین کے لیے رب تعالیٰ کی طرف سے پکارا جارہا ہے تو دیر کیوں کرتے ہو۔ اٹھو اور کمر ہمت چست کر کے باندھ لو، اس راستے میں تم پر رحمتوں پر رحمتیں نازل ہوں گی۔

(۱۱) انبیاء علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرنے والا کافر ہے اور جو شخص اس کے کفر میں شک کرے تو صاف کہہ دو کہ یہ بھی پہلے کا دوسرا ہے۔

حضرتِ اقدس کے قلبِ اطہر پر جو اس فتنہ کی شدت کا اثر تھا۔ وہ ان اشعار سے نمایاں نظر آتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس فتنہ کے استیصال کے لیے مامور من اللہ ہیں اور اُن کی تمام صلاحیتیں اس پر لگی ہوئی تھیں کہ وہ قادیانیت کے قصرِ الحاد کو پھونک ڈالیں۔ حضرت امام العصرؒ نے قادیانی الحاد پر تابڑ توڑ حملے کیے اور اُن کے کفر وارتداد کو عالم آشکارا کرنے کے لیے قلم اٹھایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قادیانی قذاقوں کے سب سے بڑے حریف تھے۔ مرزا اور مرزائی گروہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جس

دریدہ دہنی کا مظاہرہ کیا ہے، اس سے ایک باغیرت وحمیت مسلمان کا خون کھول جاتا ہے اور جو شخص اس کے بارے میں خاموش ہے یہی کہا جاسکتا ہے، یا تو وہ دین وایمان سے محروم ہے یا پھر اس کی غیرت وحمیت کو مصلحت کی دیمک چاٹ گئی ہے۔

ردّ قادیانیت میں آپ کی کتابیں:

حضرت امام العصرؒ نے قادیانیت کے تعاقب میں جو کارنامے انجام دیے، اُن کی تفصیل کے لیے مقالہ کافی نہیں۔مختصر یہ کہ حضرت نے خود بھی ان تمام مسائل پر قلم اٹھایا جو اسلام اور قادیانیت کے درمیان زیر بحث تھے۔مثلاً حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام پر تین کتابیں تالیف فرمائیں:

(۱) عقیدۃ الاسلام فی حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام

(۲) تحیۃ الاسلام فی حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام

(۳) التصریح بما تواتر فی نزول المسیح

یہ تینوں کتابیں اپنے رنگ میں بے نظیر ہیں۔اس کے علاوہ ختم نبوت کے موضوع پر فارسی میں رسالہ ''خاتم النبیین'' تالیف فرمایا۔جس کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔یہ رسالہ آیت ختم نبوت کی تفسیر میں دقیق معارف کا ذخیرہ ہے۔ان تمام رسائل میں قادیانی دجل وفریب سے نقاب کشائی فرمائی اور قادیانیوں کے کفر وارتداد کو ثابت کرنے کے لیے ''الکفار الملحدین'' تالیف فرمایا۔

اپنے تلامذہ کو ترغیب:

حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ میں مولانا سید بدرعالم میرٹھیؒ، مولانا مرتضیٰ احسن چاندپوری، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا محمد شفیع دیوبندی، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا منظور احمد نعمانیؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا محمد چراغ گوجرانوالہ اور دیگر بہت سی ایسی نابغہ شخصیتیں موجود تھیں جن کو شاہ صاحب نے ردّ مرزائیت پر مامور فرمایا۔حضرت شاہ صاحبؒ اپنے تلامذہ سے عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور ردّ قادیانیت کے لیے کام کرنے کا عہد لیتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے کہ جو شخص قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ شفاعت سے وابستہ ہونا چاہتا تھا۔وہ قادیانی درندوں سے ناموسِ رسالت کو بچائے۔ان حضرت نے شاہ صاحب کی وصیت کے مطابق ردّ قادیانیت کے تعاقب کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا تھا۔

علامہ اقبالؒ اور ظفر علی خانؒ:

قادیانیت کا مذہبی ودینی سطح پر محاسبہ تو علمائے امت شروع سے کرتے آرہے تھے، لیکن جدید طبقہ میں قادیانیوں سے رواداری کا مرض سرایت کیے ہوئے تھا۔وہ سمجھتے تھے کہ قادیانیوں کے خلاف جو کچھ مذہبی سٹیج سے کہا جارہا ہے وہ صرف ملاؤں کی افتادِ طبع کا نتیجہ ہے۔حضرت امام العصرؒ نے قادیانیت کے خلاف جدید طبقہ تک اپنی آواز پہنچانے کے لیے مولانا ظفر علی خانؒ (ایڈیٹر ''زمیندار'') اور شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبالؒ کو آمادہ کیا۔مولانا سعید احمد اکبرآبادی لکھتے ہیں: ''باخبر حضرات جانتے ہیں کہ پنجاب کے خصوصاً اور ہندوستان کے عموماً انگریزی تعلیم یافتہ حضرات میں قادیانی فتنہ کی شر انگیزی اور اسلام کشی کا جو احساس پایا جاتا ہے۔اس میں بڑا دخل علامہ محمد اقبال مرحوم کے اُس لیکچر کا ہے جو عقیدۂ ختم نبوت پر ہے اور ساتھ ہی اُس مقالہ کا ہے جو قادیانی تحریک کے خلاف انگریزی زبان میں شائع ہوا، لیکن یہ شاید کم لوگوں کو معلوم ہے کہ دونوں تحریروں کا اصل باعث حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ ہی تھے۔'' (بیس بڑے مسلمان، ص ۳۷۷) علامہ اقبال نے اپنے خطبات ومقالات اور گفتگوئے مجالس میں قادیانیت کا فلسفی اور فلسفیاتی رنگ میں تجزیہ کیا جس سے جدید طبقہ کو یہ سمجھنے میں مدد ملی کہ قادیانیت کا پس منظر کیا ہے اور امتِ مسلمہ کے حق میں اس کے نتائج کس قدر مہلک ہوں گے۔ ڈاکٹر صاحب کے ان مقالات کا اردو ترجمہ ''حرفِ اقبال''، ''اقبال اور قادیانی''، ''اقبال اور قادیانیت'' ''ارمغانِ اقبال''، ''انوارِ اقبال'' اور دیگر کتب ورسائل میں ہو چکا ہے۔مولانا ظفر علی خان مرحوم علی گڑھ کے گریجویٹ تھے مگر اکابر دیوبند سے تعلق اور وابستگی نے انھیں واقعی مولانا بنادیا تھا۔موصوف نے ۱۹۱۰ء سے ''زمیندار'' کی ادارت سنبھالی اور نازک ترین دور میں قادیانیت کے خلاف نبرد آزما ہوئے اور جب تک جسم میں توانائی رہی۔وہ اس محاذ پر لڑتے رہے۔آغا شورش کاشمیریؒ نے ''تحریک ختم نبوت'' کے صفحہ ۶۱ سے ۷۴ تک مولانا ظفر علی خان اس داستانِ وفا کی تفصیلات قلم بند کی ہیں۔۱۹۳۳ء کے ایک مقدمے کے ضمن میں ذکر کیا ہے: ''عدالت نے وہ نوٹس پڑھ کر سنایا جو اس مقدمے کی بنیاد تھا کہ تمہارے اور احمدی جماعت کے درمیان اختلاف ہے۔تم نے اُن کے عقائد اور مذہبی پیشوا پر حملے کیے ہیں۔جس سے نقضِ امن کا اندیشہ ہو گیا ہے۔وجہ بیان کرو کہ تم سے کیوں نہ نیک چلنی کی ضمانت طلب

کی جائے۔مولانا نے عدالت کو جواب دیتے ہوئے کہا: ''میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مسلمانوں کے ہاتھوں، مرزائیوں کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچے گا۔لیکن جہاں تک مرزا غلام احمد کا تعلق ہے۔ہم اس کو ایک بار نہیں ہزار بار دجال کہیں گے۔اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم المرسلینی میں اپنی ناپاک نبوت کا پیوند لگا کر ناموسِ رسالت پر کھلم کھلا حملہ کیا ہے۔اپنے اس عقیدے میں ایک منٹ کے کروڑویں حصے کے لیے بھی دست کش ہونے کو تیار نہیں اور مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ مرزا غلام احمد دجال تھا، دجال تھا، دجال تھا۔میں اس سلسلے میں قانون انگریزی کا پابند نہیں ہوں۔میں قانون محمدی کا پابند ہوں۔'' (تحریک ختم نبوت مؤلفہ آغا شورش کاشمیری مرحوم، ص ۶۸)

امیر شریعت کا خطاب:

حضرت امام العصر مولانا انور شاہ کاشمیریؒ ''تحریک ختم نبوت'' کو باقاعدہ منظم کرنے کے لیے خطیب الامت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو امیر شریعت مقرر فرمایا اور انجمن خدام الدین کے ایک عظیم الشان سالانہ اجلاس منعقدہ مارچ ۱۹۳۰ء اُن کے ہاتھ میں دے کر ہندوستان کے ممتاز ترین پانچ سو علمائے دین کی بیعت اُن کے ہاتھ پر کرائی۔ظاہر بین نظریں یہ دیکھ رہی تھیں کہ دارالعلوم دیوبند کا صدر المدرسین حجۃ الاسلام علامہ محمد انور شاہ کاشمیری، امیر شریعت کے ہاتھ پر بیعت کر رہا ہے لیکن امیر شریعت کا تاثر یہ تھا کہ:

''آپ نہ سمجھیں کہ حضرت (انور شاہ صاحب) نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے بلکہ حضرت نے مجھے اپنی غلامی میں قبول فرمایا ہے۔یہ کہہ کر شاہ جی زار و قطار رونے لگے اور اُن کا سارا جسم کانپنے لگا۔'' (حیاتِ امیر شریعت، مؤلفہ غلام نبی جانباز، ص ۱۵۵)

بہرحال یہ بحث تو اپنی جگہ ہے کہ امام العصر کشمیریؒ امیر شریعت کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔یا پھر، امیر شریعت آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔دراصل یہ بات تو طے ہے کہ انور شاہ کاشمیری، امیر شریعت سے قادیانیت کے استیصال کا عہد لے رہے تھے۔اس کے بعد جو کچھ امیر شریعت اور اُن کی جماعت نے قادیانیت کے محاسبے کے سلسلے میں کیا یا پھر کر رہے ہیں اس پر ہم سب متفق ہیں کہ انور شاہ صاحب کی ہی باطنی توجہ اور اُن کی دعاؤں کا ہی صدقہ ہے۔

امام العصرؒ کی وفات کے بعد امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔حضرت تھانوی نے نہایت شفقت سے حالات سنے اور تشریف آوری کی غرض دریافت کی۔شاہ جی نے بے تکلفی سے کہا کہ حضرت علامہ مولانا انور شاہ صاحب کاشمیری ہمارے روحانی پیشوا تھے۔انھوں نے ہمیں ردّ مرزائیت کے کام پر لگا دیا ہے۔چنانچہ مجلس احرار اسلام کا شعبہ تبلیغ اس کام کے لیے وقف ہے۔حضرت کاشمیریؒ کے سانحہ ارتحال کے بعد آپ سے دعا لینے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔حضرت حکیم الامت نے دریافت کیا کہ آپ کی جماعت کا رکن بننے کے لیے کیا کوئی شرط بھی ہے؟ عرض کیا: ایک روپیہ سالانہ رکنیت کی فیس ادا کر کے ہر مسلمان جماعت کا رکن بن سکتا ہے۔حضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو معلوم نہیں کہ زندگی کے کتنے دن باقی ہیں۔تاہم مجھے پچیس سال کے لیے اپنی جماعت کا رکن بنا لیجیے اور اگر اس سے زیادہ جیتا رہا تو پھر رکنیت کی تجدید کر لوں گا۔یہ کہہ کر پچیس روپے عطا فرمائے اور پچیس سال کے لیے رکنیت قبول فرمائی۔(روایت: مولانا محمد علی جالندھریؒ)

بظاہر یہ ایک معمولی واقعہ سہی لیکن اس سے مسئلہ ختم نبوت کے ساتھ علمائے دیوبند کے غیر معمولی شغف کا اندازہ ہوتا ہے۔حضرت امام العصر سید انور شاہ کاشمیری مجلس احرار اسلام کے غیر معمولی شغف کا اندازہ ہوتا ہے۔حضرت امام العصر سید انور شاہ کاشمیری مجلس احرار اسلام کا رخ فتنۂ قادیانیت کی طرف موڑنے کے لیے سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو امیر شریعت کے منصب پر کھڑا کرتے ہیں اور خود بنفس نفیس ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان پر کامل اعتماد کا اظہار کرتے ہیں۔ادھر حکیم الامت تھانویؒ مجلس احرار اسلام کے تبلیغی شعبہ کی رکنیت قبول فرما کر گویا امیر شریعت کی اس جہاد میں قیادت کو قبول فرماتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ جب تک حیات رہے، ان کی توجہ اور دعا اور ہر قسم کی اعانت مجاہدین ختم نبوت کے شامل حال رہی۔ان کے وصال کے بعد قطب العالم حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری اس قافلے کے سالار بن گئے۔احرارِ اسلام کے اکابر حضرت رائے پوریؒ کے حلقۂ ارادت سے منسلک اور حضرت رائے پوریؒ کی عنایات و توجہ سے مستفید ہوتے رہے۔جن لوگوں کو حضرت کی صحبت میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہے انھیں علم ہے کہ حضرت، قادیانی فتنے کے بارے میں کس قدر گہرا احساس رکھتے تھے۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت مولانا انور شاہ کاشمیری کی نسبت حضرت رائے پوری کی طرف منتقل ہوگئی ہے۔حضرت مجاہدین ختم نبوت کی سرپرستی فرماتے۔ان کی مالی خدمت کرتے۔انھیں مفید مشورے دیتے۔ان کی کارگزاری کی باقاعدہ رپورٹ سنتے اور ان حضرات کی بے حد قدر اور حوصلہ افزائی کرتے۔حضرت رائے پوری کے حکم سے مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''القادیانی والقادیانیہ'' عربی میں تالیف فرمائی اور پھر حضرت کے مکرر حکم سے اس کا اردو ترجمہ ''قادیانیت'' کے نام سے ہوا۔دونوں کتابوں کا ایک ایک حرف حضرت نے سنا۔مولانا ابراہیم سیالکوٹی کی کتاب ''شہادۃ القرآن'' کو بھی حرفاً حرفاً سن کر اس کی اشاعت کا حکم فرمایا۔علمائے امت قادیانیت فتنے کا مقابلہ انفرادی طور پر اپنے اپنے رنگ میں کر رہے تھے۔مگر علماء دیوبند نے محسوس کیا کہ تحفظ ختم نبوت کے لیے مسلمانوں کو منظم کرنے کی ضرورت ہے۔اس کے لیے ایک ایسی مضبوط جماعت ہونی چاہیے جو ناموسِ

رسالت کی خاطر کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کرے اور فتنۂ قادیانیت کے استیصال کو اپنا مشن بنالے۔ اس کے لیے مولانا محمد انور شاہ کاشمیریؒ کی نظرِ انتخاب مجلس احرار اسلام پر پڑی اور فتنۂ قادیانیت کا منظّم مقابلہ کرنے کے لیے مجلس احرار اسلام کے قائد حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو امیر شریعت مقرر فرمایا۔

(تحفۂ قادیانیت، جلد دوم، مولانا محمد یوسف لدھیانوی، ص ۵۰ تا ۶۰، ملتان، ۱۹۹۶ء)

آخر میں اپنے اس مضمون کو ایک اور شہرۂ آفاق کتاب ''نقشِ دوام، حیات محدثِ کاشمیری'' کے درج ذیل اقتباس پر ختم کرتا ہوں۔ جس سے اسی عنوان کی مزید وضاحت ہو جائے گی۔

مجلس احرار اسلام کا قیام:

تصنیف و تالیف، تقریر و تحریر اور قادیانیت کے مقابلے کے لیے بعض افراد اور اشخاص کی خصوصی تربیت کے باوجود مرحوم (حضرت انور شاہ کاشمیریؒ) کی رائے تھی کہ اس فتنہ کی مکمل بیخ کنی کے لیے ایک ایسے مستقل ادارے کی ضرورت ہے جو اپنی تمام توانائیاں اور قوتِ کار قادیانیت کی تردید میں صرف کرے۔ اس کے لیے آپ نے بار بار جمعیت علمائے ہند کو بھی توجہ دلائی بلکہ کلکتہ جمعیت علماء کے اجلاس میں جب اس مسئلہ پر غور ہو رہا تھا کہ جمعیۃ العلماء کی رکنیت کے لیے خود اسلامی فرقوں میں سے کس کس کے لیے اجازت ہونی چاہیے۔ آپ (مولانا انور شاہ کاشمیریؒ) نے یہ سوال اٹھایا کہ پہلے قادیانیوں کے کفر اور ایمان کا فیصلہ ہونا چاہیے تاکہ ان کے لیے حقِ رکنیت یا عدم رکنیت کی بات طے ہو سکے لیکن ''جمعیۃ العلماء ہند'' نے ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں جس سرگرمی سے حصہ لیا۔ دوسرے محاذ پر تندہی سے اس کے لیے (یعنی قادیانیت کے لیے) کام ممکن بھی نہیں تھا۔ پھر پنجاب جو اس فتنہ کی جائے پیدائش تھی۔ وہاں پر اس کے مقابلے کے لیے کسی ادارے کے قیام سب سے زیادہ ضروری تھا۔ پنجاب کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ قوتِ عمل جوش و خروش کی جن دولتوں سے نوازا ہے۔ اس کی بنیاد پر بھی بار بار آپ کی نظر پنجاب پر ہی اٹھتی تھی۔ انھیں وجوہ و اسباب کے پیش نظر اپنے خصوصی تلامذہ و متعلقین کو ایک ادارہ کے قیام کی طرف متوجہ کیا۔ اسی زمانے میں قوم پرور مسلمانوں کا ایک عنصر کانگریس ورکنگ کمیٹی میں مسلم پنجاب کی نمائندگی کے سوال[۱] ممکن تو تھا لیکن نہ ہوا کہ یہ تمغۂ صرف مجلس احرار اسلام کے سینے پر ہی سجنا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا۔ اس لیے انور شاہ صاحبؒ کی یہ تجویز درمیان میں ہی رہ گئی۔ اس کے لیے جو جواز پیش کیا گیا، وہ بھی محلِ نظر ہے کہ ہندوستان کی آزادی کے لیے مجلس احرار بھی فعال تھی اور کسی بھی دوسری جماعت سے زیادہ کام کر رہی تھی۔ نہ کہ صرف جمعیۃ العلماء ہند۔

پر ناراض ہو ٹوٹا۔[۱] اور مجلس احرار اسلام کے نام سے جس ادارے کی تشکیل کی وہ حضرت شاہ صاحب کی تمناؤں کے مطابق تھی۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، مولانا داؤد غزنویؒ، مولانا ظفر علی خانؒ، ان سب سے قادیانیت کے استیصال کے لیے جو کام کیا، وہ احرار کا تاریخ کا ایک جلی باب ہے۔

بخاری کی ساحرانہ خطابت نے ملک کو آتشیں فضا میں دھکیل دیا۔ شاہ صاحب نے انھیں امیر شریعت کا خطاب سے نواز کر قادیانیت کے مقابلے میں لا کھڑا کیا اور پھر جاننے والے جانتے ہیں کہ عطاء اللہ شاہ بخاری کی تگ و تاز سے قادیانیت کا قلعہ مسمار ہو گیا۔ ظفر علی خان کی ہنگامہ خیز شاعری نے مرزائے قادیان کی زندگی تلخ کر دی۔ اس طرح مجلس احرار سلام کی تعمیر میں قادیانیت کی تردید کا جو تخم ڈالا گیا تھا۔ وہ احرار کی پوری زندگی میں بروئے کار رہا۔ پاکستان بن جانے کے بعد بھی قادیانیت سے ایک بھرپور مقابلہ مجلس احرار نے ہی کیا۔ اگرچہ سر ظفر اللہ قادیانی کی سازشوں کے نتیجہ میں احرار کے سینکڑوں کارکن نہ صرف قید و بند کی صعوبتوں بلکہ گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ آج بھی احرار کے بقیۃ السلف تحفظ ختم نبوت کے نام سے قادیانیت کے استیصال کو اپنا مقصدِ حیات بنائے ہوئے ہیں۔ قادیانیت کے خلاف بے پناہ کام کے اجلے عنوانات اس جماعت کا وہ کارنامہ ہے جس کی بنیاد پر یہ جماعت عنداللہ و عندالناس ان شاء اللہ تعالیٰ سرخرو رہے گی۔ ہزاروں رضاکار، سینکڑوں کارکن، سینکڑوں آتش نوا مقررین نے احرار کے پلیٹ فارم سے اٹھ کر ملک کو یہ شعور دیا کہ قادیانیت کفر کا دوسرا نام ہے۔ عوامی سطح پر اس شعور کی بالیدگی ''احرار'' کے بغیر ناممکن تھی اور اس میں بھی شک نہیں کہ خاص اس محاذ پر علامہ کشمیری احرار کی پرجوش قیادت فرما رہے تھے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ موصوف نے اس مقصد کے لیے احرار ہی کو اپنا مکتبۂ فکر اور دائرۂ عمل بنایا۔'' (نقش دوام حیاتِ محدث کاشمیری، صفحہ ۱۹۷، ۱۹۸، ملتان، ۱۴۲۶ھ)